

کتاب الخراج ۰ امام ابو یوسف

اُردو ترجمہ

اسلام کا نظام محاصل ترجمہ کتاب الخراج مصنفہ نامنی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم علم علیہ الرحمۃ مترجم محمد نجات اللہ صدیقی، ناشر چراغ راہ کراچی۔ قیمت اعلیٰ ایڈیشن معہ پلاسٹک کور ۵۰ روپے، ۱۲ روپے، سٹا ایڈیشن ۸۰ روپے۔

امام ابو یوسفؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ وہ ۱۱۳ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۲ھ میں آپؒ کا انتقال ہوا۔ مشہور عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے آپ کو قاضی القضاة کے عہدے پر مقرر کیا تھا۔ ”کتاب الخراج“ انہوں نے خلیفہ ہی کے کہنے پر مرتب فرمائی۔ کتاب کی وجہ تالیف امام ابو یوسف یوں بیان کرتے ہیں:

”امیر المؤمنین نے، اللہ ان کی مدد فرمائے، مجھ سے ایک جامع تحریر طلب کی ہے، جس کو وہ خراج، عشر، صدقات اور جوائی (جزیہ) کی تحصیل میں اپنا دستور العمل بنا سکیں اور جو ان دوسرے امور میں بھی ان کی رہنمائی کر سکے، جن پر غور و فکر کرنا اور عمل کرنا ان کی ذمہ داری ہے۔ اس تحقیق سے امیر المؤمنین کا منشاء یہ ہے کہ اپنی رعایا پر سے ہر طرح کے ظلم کا ازالہ کریں اور ان کے معاملات درست فرمائیں.....“

چنانچہ کتاب الخراج میں جہاں بڑی تفصیل سے نظام مالیات سے بحث کی گئی ہے، وہاں دوسرے امور حکومت بھی زیر بحث آئے ہیں، مثلاً شرعی حدود اور تعزیرات، ڈاک اور خبر و سانی کا محکمہ کس طرح چلایا جائے۔ تناظیوں کے مشاہرے کس مدد سے دیئے جائیں۔ نوامین جنگ اور صلح و امن کے قواعد وغیرہ۔ اس کے علاوہ عراق اور شام کس طرح فتح ہوئے، اور حضرت عمرؓ نے ان کی زمینیں کیوں اصل مالکوں کے

پاس رہنے دیں۔ اس کا بھی بڑا مفصل ذکر ہے۔ غرض امام ابو یوسف کی یہ کتاب ایک ایسی اہم دستاویز ہے جو ہمارے سامنے اس نظام سلطنت کو پیش کرتی ہے، جو دور رسالت و خلافت راشدہ سے روایتاً مسلمانوں کے ہاں چلا آتا تھا۔ اور جسے امام ابو یوسف نے اس کتاب میں مرتب فرمادیا۔ اس لحاظ سے یہ کتاب محض ایک فقہی و قانونی مجموعہ ہی نہیں، بلکہ ایک تاریخی وثیقہ بھی ہے۔

مثال کے طور پر امیر المؤمنین کے اس سوال پر کہ اہل قبلہ محاربین کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے، امام ابو یوسف لکھتے ہیں:۔ علی بن ابی طالبؓ کے بارے میں ہم کو جو روایتیں پوری صحت کے ساتھ معلوم ہو سکی ہیں، وہ بتاتی ہیں کہ آپ نے دعوت دیئے بغیر اپنے مخالفوں سے کبھی جنگ نہیں کی۔ نیز جنگ ختم ہونے اور ان پر فتح پانے کے بعد آپ نے ان کی چھوڑی ہوئی میراثوں یا عورتوں اور بچوں سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔ ان کے کسی قیدی کو قتل نہیں کیا۔ کسی زخمی کو جان سے نہیں مارا اور کسی بیٹھ پھیر کر بھاگنے والے کا تعاقب نہیں کیا۔

امام صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے جنگ جمل کے بعد مدینہ میں طلحہؓ اور زبیرؓ کے سائے اموال و املاک اور بصرہ والوں کے گھر بار، مال اور ساز و سامان کو بھی آپ نے چھوڑ دیا تھا۔

اسی سلسلے میں وہ لکھتے ہیں:۔ مجھ سے محمد بن اسحاق نے بروایت جعفریہ حدیث بیان کی ہے۔ جنگ صفین کے موقع پر جب علیؓ کے پاس کوئی قیدی لایا جاتا، تو آپ اُس کا سواری کا جانور اور اسلحے چھین لیتے اور اُس سے یہ عہد لے کر اُسے چھوڑ دیتے کہ وہ دوبارہ ایسی حرکت نہیں کرے گا۔

ان روایات کے بعد وہ اس سلسلے میں اپنی رائے یہ دیتے ہیں:

ہمارے بعض رفقا رکابنا ہے کہ اگر باغیوں کے لشکر کا کیمپ منظم طور پر قائم ہو تو ان کے قیدی قتل کئے جائیں گے۔ بھاگنے والوں کا تعاقب ہو گا۔ اور زخمیوں کو مار ڈالا جائے گا۔ لیکن اگر ان کا کوئی منظم جتھا یا لشکر نہ ہو، جس میں یہ پناہ لیتے ہوں تو بھاگنے والوں کا تعاقب نہ ہو گا۔ زخمیوں کی جان نہیں لی جائے گی اور قیدیوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ اگر قیدیوں سے اس بات کا اندیشہ ہو کہ اگر انہیں چھوڑ دیا گیا تو یہ ایک جتھا بنا لیں گے تو انہیں قید خانہ میں بند کر دینا چاہیے.....

امام ابو یوسف نے فئے یعنی مالِ غنیمت کی تقسیم کے ضمن میں لکھا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اپنے عہد خلافت میں مالِ غنیمت میں سے سب کو ایک سا حصہ دیتے تھے۔ اور جب اس پر اعتراض ہوا

توان کا جواب یہ تھا:-

”تم نے سابقیت، اولیت (یعنی اسلام میں) اور فضل کا جو ذکر کیا ہے، تو میں اس سے اچھی طرح واقف ہوں۔ یہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ثواب اللہ جل شانہ دے گا۔ مگر یہ تقسیم مال، معاملات دنیا میں سے ہے۔ اور اس میں ترجیح و امتیاز کے بجائے مساوات بہتر ہے۔“

لیکن جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے، تو آپ نے یہ مساوات ترک کر دی اور اسلام میں سابقیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قربت کی بنا پر نئے کی تقسیم کا اصول اپنایا۔ اس بارے میں حضرت عمرؓ کا کہنا یہ تھا: ”ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس مال (کی تقسیم) کے سلسلہ میں ایک خاص رائے قائم کی تھی۔ مگر میں اس بارے میں ایک دوسری رائے رکھتا ہوں۔ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جنگ کی ہے، انہیں میں ان لوگوں کے مساوی نہیں قرار دوں گا، جنہوں نے آپ کے ساتھ لڑ کر جنگ کی ہے۔“

اسی ضمن میں امام صاحب نے یہ بھی لکھا ہے:-

(راوی) کہتا ہے جب آپ (حضرت عمرؓ) نے دیکھا کہ مال بہت زیادہ ہو گیا ہے تو فرمایا: ”اگر میں آئندہ سال اس شب زندہ رہا تو (جسٹ کی فہرست میں) آخر کے لوگوں کو شروع کے لوگوں میں شامل کر دوں گا تاکہ تمام افراد کو برابر برابر وظائف ملنے لگیں۔“

راوی کہتا ہے۔ آپ اس سے قبل ہی انتقال فرما گئے۔

حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں سے محاصل وصول کرنے کا جو نظام نافذ کیا تھا۔ کتاب الخراج میں امام ابو یوسف نے اس میں بعض تبدیلیاں کرنے کی جو تجویز کی تھی، اس پر مترجم مقدمہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”خراج کی تحصیل کے نظام کے سلسلے میں ابو یوسف نے مصالح کی بنا پر اس طریقہ سے مختلف طریقہ تجویز کیا ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اختیار کیا تھا۔ ان پر اعتراض کیا گیا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے طریقہ سے انحراف کر رہے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ مسئلہ کی اصل نوعیت کیا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کس اصول تھا جس کی بنا پر انہوں نے اپنے زمانہ کے حالات میں ایک مخصوص طریقہ اختیار

کیا تھا اور کس طرح حالات میں تبدیلی کی وجہ سے اب اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے۔

غرض حالات کی تبدیلی کی وجہ سے دوسرا طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ مترجم لکھتے ہیں:-

”انہوں (امام ابو یوسف) نے بتایا ہے کہ اب سابق طریقہ سے ایسی مضرتیں پیدا ہو رہی ہیں کہ روح شریعت اور عمر فاروقی کے اصولِ مالیہ کی روشنی میں اُسے ترک کر دینا ضروری ہو گیا ہے۔ انہوں نے دلائل کے ذریعہ ثابت کیا ہے کہ اُن کا تجویز کردہ طریقہ شریعت کے منشاء کی تکمیل کے لئے زیادہ موزوں ہے۔“

کتاب میں مزارعت یعنی بٹائی کی بھی بحث ہے۔ امام صاحب لکھتے ہیں:-

امیر المؤمنین! آپ نے دریافت کیا ہے کہ پرتی زمینوں کو نصف یا تہائی پیداوار پر مزارعت کے طور پر (کاشت کار کو) دینا کیسا ہے۔ جواب یہ ہے کہ ہمارے حجازی اور مدنی رفقا اس معاملہ کو مکروہ اور ناسد قرار دیتے ہیں..... ابو حنیفہ اُن لوگوں میں سے تھے جو پرتی زمینوں یا باغات اور نخلستانوں میں تہائی اور چوتھائی یا کم و بیش پیداوار پر اس طرح کا معاملہ کرنے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ ابن ابی لیلیٰ ان لوگوں میں سے تھے، جو ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

اس کے بعد امام صاحب نے مزارعت کے عدم جواز اور جواز کے دلائل دیئے ہیں۔ اور آخر میں یہ روایات نقل کی ہیں:-

(۱) حجاج نے ابو جعفر سے اور ابو جعفر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے ہم سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آپ نے خیر کو نصف پیداوار کے عوض دیا تھا۔ انہوں نے کہا ہے کہ ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اپنی زمینوں کو تہائی پیداوار کے عوض دیا کرتے تھے۔

(۲) اعش نے ابراہیم بن مہاجر سے اور انہوں نے موسیٰ بن طلحہ سے روایت کرتے ہوئے ہم سے بیان کیا ہے کہ موسیٰ بن طلحہ نے کہا ہے کہ میں نے سعد بن ابی وقاص اور عبداللہ بن معود کو اپنی زمینیں تہائی اور چوتھائی پیداوار کے عوض دیتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۳) حجاج بن ارطاة نے بروایت ابو جعفر، بروایت نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے حدیث بیان کی

ہے کہ آپ نے خیر کو نصف پیداوار کے عوض دیا تھا۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم اپنی زمینیں تہائی پیداوار کے عوض دیا کرتے تھے۔
امام صاحب نے اس کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے :

”اس باب میں ہم نے جو کچھ سنا ہے، اس میں بہترین مسلک یہی ہے۔ واللہ اعلم، اور ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے“

مزارعت کے عدم جواز کے بارے میں امام صاحب نے جو دلائل دیئے ہیں، وہ یہ ہیں :-
”ابو حنیفہ اور مزارعت و مساقاۃ کو ناجائز قرار دینے والے دوسرے فقہاء اپنے مسلک کی دلیل میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں جو ابو حصین نے (ابن رافع بن خدیج بن خدیج سے اور انہوں نے اپنے والد سے اور ان کے والد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ ایک بار آپ ایک احاطہ کے پاس سے گزرے تو فرمایا :
”یہ کس کا ہے۔“

رافع بن خدیج نے جواب دیا کہ میرا ہے، میں نے اسے کرایہ پر لیا ہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا :
”دیکھو! اسے اسی کی کچھ پیداوار کے عوض کرایہ پر نہ لینا“
ابو حنیفہ اور مساقاۃ کو ناجائز سمجھنے والے دوسرے حضرات اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مجہول اور قاسد اجارہ ہے۔

کتاب کا بارہواں باب ”عمال خراج کے لئے ہدایات“ ہے، اس میں امام صاحب نے عمال خراج کے بارے میں امیر المؤمنین ہارون الرشید کو جو نصیحتیں کی ہیں وہ ایسی ہیں کہ آج بھی حکومت کا ہر عہدے دار انہیں پڑھ کر غیر معمولی اثر لے سکتا ہے۔

اس ضمن میں ایک جگہ لکھتے ہیں :-

”..... اللہ نے فساد مچانے سے منع کیا ہے، فرماتا ہے

ولا تفسدوا فی الارض بعد فسادھا (اعوان - ۵۴)۔ اور زمین میں اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد فساد نہ برپا کرو۔

واذا تولى سعى فى الارض ليقصد فيها ويهلك الحرث والنسل والله لا يحب الفساد
(البقرہ - ۲۰۵)۔ اور جب وہ پیٹھ پھیر کر جاتا ہے تو اس کی دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ
فساد پھیلانے۔ کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے۔ حالانکہ اللہ فساد کو ہرگز پسند
نہیں کرتا۔

ماضی میں جرتو میں تباہ ہو گئیں، ان کی تباہی کا سبب یہی تھا کہ انہوں نے عوام کو ان کے حقوق دینے
سے گریز کیا تاکہ لوگ ان حقوق کو قیمت ادا کر کے ان سے خریدیں اور ظلم ڈھائے تاکہ لوگ ان کے مظالم
سے بچنے کی خاطر فدیے ادا کریں۔

اہل خراج پر ایسا بار ڈالنا جس کی ادائیگی ان کے ذمہ واجب نہیں۔ صریح ظلم اور سراسر حرام ہے۔
اس کی گنجائش کسی طرح نہیں نکل سکتی۔

امام صاحب نے ہارون الرشید کو بتایا کہ وہ وایوں اور عاملوں پر کڑی نظر رکھیں اور ایسے
اجلاس عام کا انتظام کریں، جن میں لوگ ان تک پہنچ سکیں اور ان کی خدمت میں ان کے وایوں
کی شکایات پہنچا سکیں۔ اس سلسلے میں امام صاحب نے حضرت عمرؓ کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ کس
طرح انہوں نے مصر کے عامل عیاض بن غنم کو جو بارہ ایک کپڑے پہنتا اور دروازے پر دربان رکھتا
تھا، واپس مدینہ بلایا۔ اور اُس سے فرمایا:

اپنی قمیض اتار دو۔ پھر آپ (حضرت عمرؓ) نے موٹے اون کا ایک کڑتا منگوا یا اور بھڑ بھریوں کا
ایک گلہ اور ایک لاٹھی بھی منگوائی اور ان سے یہ فرمایا کہ: "یہ کڑتا پہنو۔ یہ لاٹھی اور یہ بھریاں چراؤ۔
ان کا دودھ خود پیو۔ اور راہ گیروں کو پلاؤ اور جو بیچ رہے وہ ہمارے لئے محفوظ رکھو۔ سن لیا تم نے؟"
انہوں نے کہا: "ہاں (سن لیا) مگر موت آجانا اس سے اچھا ہے (کہ میں ایسا کروں)۔" آپ نے
بار بار ان سے یہی بات کہی مگر ہر بار انہوں نے یہی جواب دیا۔ اس سے بہتر یہی ہو گا کہ موت
آجائے۔

عمرؓ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں یہ بات اتنی ناگوار کیوں معلوم ہوتی ہے جب کہ تمہارے باپ کا نام
غنم اس لئے پڑ گیا تھا کہ وہ بھریاں چرایا کرتے تھے؟ کیا تم آئندہ بھلی روش اختیار کرو گے؟
انہوں نے جواب دیا۔ ہاں یا امیر المؤمنین۔

آپ نے فرمایا: اچھا تم جاؤ۔ اور آپ نے اُن کو اُن کے منصب پر بحال کر دیا۔

راوی کہتا ہے کہ اس واقعہ کے بعد یہ اتنے اچھے بن گئے کہ عمر رضی اللہ عنہ کا کوئی دوسرا عامل آنا اچھا نہ تھا۔

غرض امام صاحب نے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے آثار بیان کر کے ہارون الرشید پر یہ ذہن نشین کرنے کی کوشش کی کہ عمال اور والیوں کی زیادتیوں سے رعیت کو بچانا سب سے بڑی نیکی ہے۔

شرعی حدود اور تعزیرات کے ذیل میں ایک فصل ہے ”شرابِ نخوری کی سزا“۔ اس کا ایک اقتباس درج ذیل ہے:-

جس شخص نے انگور کی شراب پی ہو اور اسے امام کے سامنے پیش کیا جائے تو اس پر حد جاری کی جائے گی، خواہ اس نے تھوڑی شراب پی ہو یا زیادہ۔ انگوری شراب کم ہو یا زیادہ بہر حال حرام ہے۔ اور اس (کے پینے) سے حد واجب ہو جاتی ہے۔ نشہ خواہ کسی شراب سے پیدا ہو، حد واجب کر دیتا ہے۔ حجاج نے عطار سے روایت کرتے ہوئے ہم سے اُن کا یہ قول بیان کیا ہے کہ انگور کی شراب کے علاوہ کسی اور شراب (کی بنا) پر اسی وقت حد واجب ہوگی جب اس سے نشہ پیدا ہو جائے۔

اس بات پر ہمارے رفقاء کا اجماع ہے کہ جس شخص نے انگور کی شراب کم یا زیادہ پی ہو، اسے اسی کوڑے مارے جائیں گے۔ جو شخص انگوری شراب کے علاوہ کوئی اور شراب پی کر نشہ میں مبتلا ہو جائے، اس کی عقل معطل ہو جائے اور بھلے بڑے کی تمیز جاتی رہے، اس پر بھی اسی کوڑوں کی حد جاری کی جائے گی۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نسینہ پی کر نشہ میں مبتلا ہو جانے والے کو اسی کوڑے لگوائے ہیں۔

ہم سے شیبانی نے بروایت حسان بن النمازق حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کہا ہے۔ ایک شخص ایک سفر میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا۔ یہ شخص روزہ سے تھا۔ جب اُس نے روزہ افطار کر لیا تو عمر بن الخطاب کا ایک بنید کاٹپا، جو اوپر لٹکا ہوا تھا، اُتار اور اس میں سے پیا۔ اسے نشہ آ گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری کی۔ اس آدمی نے آپ سے کہا: میں نے تو آپ ہی کے ہاتھ سے پیا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اُسے جواب دیا کہ میں نے تمہیں نشہ آنے کی بنا پر کوڑے مارے ہیں۔ (بنید) پینے کی بنا پر نہیں لٹے ہیں۔ معمر نے حدیث بیان کرتے ہوئے مجھ سے کہا ہے: مجھ سے ابو بکر بن عمرو بن عقبہ نے ایک حدیث

بیان کی ہے جس کو وہ عمر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا ہے: حد صرف اس چیز (کے پینے) پر جاری کی جائے گی جو عقل معطل کر دے۔

امام ابو یوسف نے اپنے زمانے کے قاضیوں کی بھی شکایت کی ہے۔ انہوں نے ہارون الرشید کو بتایا ہے کہ قاضیوں کے مشاہرے بیت المال میں سے دیئے جانے چاہئیں تاکہ وہ غریب اور امیر چھوٹے اور بڑے سب کے نگران اور کارندہ بن کر رہیں۔ ان کے زیر نگرانی جو جائیدادیں ہوں، ان سے حتی الوسع وہ کچھ نہ لیں اور اگر لینا پڑے، تو اُس کی مقدار بہت کم ہو۔

اس کے بعد امام صاحب لکھتے ہیں :-

”حقیقت کا علم تو اللہ ہی کو ہے مگر میرا خیال ہے کہ اکثر قاضی اس کی کوئی پروا نہیں کرتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں اور کس طریقے سے کر رہے ہیں۔ ان کے اکثر فقار کو۔ بجز ان چند افراد کے جنہیں اللہ نے دیانت داری کی توفیق عطا کی ہے۔ اس میں کوئی باک نہیں محسوس ہوتا کہ تیسوں کو مفلس بنا دیں اور وارثوں کو تباہ کر دیں۔



کتاب الخراج کی غیر معمولی اہمیت، اُس کی علمی و تاریخی حیثیت اور اُس میں اسلامی نظام مالیات اور نظم و نسق حکومت کے متعلق جو سیر حاصل مواد ہے، اس کا ان اقتباسات سے جو اوپر دیئے گئے ہیں، کچھ قدرے اندازہ ہو گیا ہوگا۔ جناب محمد نجات اللہ صدیقی صاحب نے اس موضوع پر ایسی بنیادی اور جامع کتاب کا اردو میں ترجمہ کر کے بہت بڑا کام کیا ہے۔ ان کی اس علمی و دینی خدمت کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

ترجمہ اتارواں ہے کہ شروع سے آخر تک پڑھ جائیے، کہیں احساس ہی نہیں ہوتا کہ یہ کسی دوسری زبان سے ترجمہ کیا گیا ہے۔ زبان بڑی صاف اور سلیس ہے۔ اور اسلوب میں علمی سادگی اور سہولت ہے، کتاب میں کتابت کی شاذ و نادر ہی کہیں غلطی ملتی ہے۔

ترجمہ تو اپنی جگہ قابل تعریف ہے ہی، لیکن اس سے بھی بڑھ کر قابل تعریف مترجم کا وہ طویل مقدمہ ہے، جو ایک سو صفحے تک چلا گیا ہے، پھر کتاب کے آخر میں انہوں نے جو ضمیمے اور خاص طور پر اشاریے دیئے ہیں، ان سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔

مقدمہ میں فاضل مترجم نے پہلے تو اُس دور کا تاریخی پس منظر دیا ہے، جس میں امام ابو یوسف کی علمی سرگرمیاں ظہور میں آئیں۔ پھر موصوف نے بڑی تفصیل سے مصنف کے سوانح حیات دیئے ہیں۔ نیراج کے موضوع پر مسلمانوں کے ہاں جو ادراک کتابیں لکھی گئیں، مترجم نے اُن کا سرسری ذکر کرنے کے بعد کتاب نیراج کے مضامین و مطالب کا ایک خلاصہ دے دیا ہے۔ جس سے کتاب کا بڑا اچھا تعارف ہو جاتا ہے۔

مترجم نے یہ جو ایک سو صفحے لکھے ہیں۔ ان میں موصوف نے واقعی تحقیق کا حق ادا کیا ہے۔ اور ان کے مطالعے سے اصل کتاب کا مطالعہ اور اُس کا سمجھنا بہت آسان ہو جاتا ہے۔

اس کتاب کا شائع کرنا ایک بڑا مفید اقدام ہے۔ اور ہم مکتبہ چراغ راہ کو اس پر مبارکباد دیتے ہیں۔ اُمید ہے، اسلامی علوم و فنون سے دلچسپی رکھنے والے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور اس سے کما حقہ استفادہ کریں گے۔



اب جو عرض کیا جا رہا ہے، اُس کا براہِ راست زیرِ نظر کتاب اور اُس کے فاضل مترجم سے تعلق نہیں، لیکن چونکہ اس کتاب کے ناشر ماہنامہ چراغ راہ والے ہیں۔ اس لئے اس مناسبت سے ہم اس کتاب کے بعض مندرجات کی طرف خاص طور پر اُن کی توجہ مبذول کرنا چاہتے ہیں۔ صفحہ ۱۲۰ - ۱۲۱ حضرت ابو ہریرہ سے ایک حدیث مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "امام ایک ڈھال ہے جس کے پیچھے ہو کر لڑا جاتا ہے اور جس کے ذریعہ اپنا دفاع کیا جاتا ہے۔ اب اگر وہ اللہ کے تقویٰ کا حکم دیتا ہے اور عدل کرتا ہے تو اُسے اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر کوئی دوسرا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے تو اس کا گناہ اس کے سر ہوگا۔"

ایک اور حدیثِ نبویؐ ہے: "لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ سنو اور اطاعت کرو۔ اگر کوئی نیک کٹ جلتی غلام بھی تم پر امیر مقرر کر دیا جائے تو بھی اس کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔"

حضرت ابو ہریرہ ہی سے ایک اور حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی، اُس نے خدا کی اطاعت کی۔ جس نے امام کی اطاعت کی اُس نے میری اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی، اُس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے امام کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔"

حضرت خدیقہ کا ایک اثر ہے، ”امام کے خلاف تلوار اٹھانا سنت کے خلاف ہے۔“

ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اسلام اور جماعت سے باشت برابر بھی کنارہ کشی اختیار کی، اس نے اپنی گردن سے اسلام کا تلاءہ اُتار دیا۔

کتاب کے ص ۱۲۲، ص ۱۲۳ اور ص ۱۲۴ پر بھی امام ابو یوسف نے اسی مضمون کی احادیث و آثار نقل کئے ہیں۔ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اکابر صحابہ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم اپنے امراء کو بُرا بھلا نہ کہیں۔ نہ اُن کو دھوکا دیں۔ نہ اُن کی نافرمانی کریں۔ اور یہ کہ ہمیں اللہ سے ڈرنا اور صبر کرنا چاہیے۔“

حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”محکمون کو گالی نہ دو۔ اگر وہ بھلی روش اختیار کرتے ہیں تو اُن کو اس کا اجر ملے گا اور تم کو اس پر شکر ادا کرنا چاہیے۔ اگر وہ بُری روش اختیار کریں تو اس کا وبال اُن پر پڑے گا۔ اور تم کو صبر کرنا چاہیے۔“

حضرت عبداللہ بن عمر کعبہ کے زیر سایہ بیٹھے یہ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی امام سے بیعت کی اور اپنا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیا اور غلوں دل سے اُس کے ساتھ عہد کر لیا تو جب تک ہو سکے اس کو اس امام کی اطاعت کرنی چاہیے۔ پھر اگر کوئی دوسرا آدمی اُٹھے اور اُس سے جھگڑا کرنے لگے تو اُس کی گردن نار دو۔“

حضرت معاذ بن جبل روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے معاذ! ہر امیر کی اطاعت کرو، ہر امام کے پیچھے نماز پڑھو اور میرے اصحاب میں سے کسی کو بُرا بھلا نہ کہو۔“ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج کے صفحہ ۵۴۰ پر حضرت ابو ہریرہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت ”اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم“ میں اولی الامر سے مراد امراء ہیں۔

امام ابو یوسف، حضرت امام ابو حنیفہ کے عزیز ترین شاگرد تھے۔ اور حضرت امام سے سب سے زیادہ استفادہ بھی انہوں نے کیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب ”خلافت و ملکیت“ میں امام ابو یوسف کے علم و فضل اور آزادی رائے کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا نے امام ابو یوسف کے متعلق ہارون کا یہ قول نقل کیا ہے: ”..... وہ ایک راست رو اور مضبوط سیرت کا آدمی ہے۔ اس جیسا کوئی دوسرا آدمی ہو تو لاؤ۔“ اس کے بعد مولانا موصوف لکھتے ہیں: ”..... سب سے بڑی شہادت ہمارے

پاس اُن کی کتاب الخراج ہے۔ اس کے دیباچے ہی کو دیکھ کر آدمی جان سکتا ہے کہ ایک خوشامدی کسی بادشاہ کو مخاطب کر کے یہ باتیں نہیں لکھ سکتا۔

امام ابو یوسف کے علم و فضل کے بارے میں مولانا مودودی لکھتے ہیں: ”انہوں نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ وقت کے دوسرے بڑے بڑے اساتذہ سے بھی استفادہ کیا، اور حدیث، تفسیر، معازیر، تاریخ عرب، لغت، ادب اور علم کلام میں بھی مہارت پیدا کی، خصوصاً حدیث کا وہ وسیع علم رکھتے تھے۔ حافظ حدیث تھے۔ اور یحییٰ بن معین، احمد بن حنبل اور علی بن المدینی جیسے لوگوں نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اُن کے متعلق اُن کے ہم عصروں کی منفقہ رائے یہ تھی کہ ابو حنیفہ کے شاگردوں میں کوئی اُن کا ہم سر نہ تھا۔ طلحہ بن محمد کہتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے فقیہ تھے.....“

ایک قائم شدہ امامت اور برسرِ اقامت دارِ امام کی اطاعت کے بارے میں امام ابو یوسف کی جو رائے تھی، اس کا بیان اوپر ہوا ہے، اور اس رائے کی تائید میں انہوں نے جو احادیث و آثار روایت کی ہیں۔ وہ بھی نقل ہو چکی ہیں، مولانا مودودی نے اپنی تازہ ترین تصنیف ”خلافت و طوکت“ میں خروج (REVOLT) کے مسئلے میں امام ابو حنیفہ کی طرف جو باتیں منسوب کی ہیں، وہ اس کی بالکل ضد ہیں۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:-

”اس مسئلے میں خود اہل سنت کے درمیان اختلاف ہے۔ اہل الحدیث کا بڑا گروہ اس بات کا قائل رہا ہے کہ صرف زبان سے اس کے ظلم کے خلاف آواز اٹھائی جائے اور اس کے سامنے کلمہ حق کہا جائے، لیکن خروج نہ کیا جائے۔ اگرچہ وہ ناحق خون ریزی کرے۔ لوگوں کے حقوق پر بے جا دست درازیاں کرے اور کھلم کھلا فسق کا مرتکب ہو۔ لیکن امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ تھا کہ ظالم کی امامت نہ صرف یہ کہ باطل ہے، بلکہ اس کے خلاف خروج بھی کیا جاسکتا ہے اور کیا جانا چاہیے۔ بشرطیکہ ایک کامیاب اور منسید انقلاب ممکن ہو اور ظالم و فاسق کی جگہ عادل و صالح کو لایا جاسکتا ہو اور خروج کا نتیجہ محض جانوں اور قوتوں کا ضیاع نہ ہو۔“

امام ابو حنیفہ کے مذکورہ بالا مسلک کی تائید میں مولانا مودودی نے ابو بکر الجصاص صاحب احکام القرآن کی اس عبارت کو ”ابو حنیفہ کہتے تھے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ابتداً زبان

سے فرض ہے، لیکن اگر سیدھی راہ اختیار نہ کی جائے تو پھر تلوار سے واجب ہے: "نقل کیا ہے۔
(الوجہ الجصاص کا سن وفات ۳۷۰ھ ہے)۔

مولانا مودودی نے مسئلہ خروج کے متعلق مزید بحث کرتے ہوئے آخر میں یہ رائے دی ہے:

"یہ تھی پہلی صدی ہجری کے اہل دین کی عام رائے۔ امام ابو حنیفہ نے اسی دور میں آنکھیں کھولی
تھیں، اس لئے اُن کی رائے بھی وہی تھی جو ان لوگوں کی تھی۔ اس کے بعد دوسری صدی کے آخری دور
میں وہ دوسری رائے ظاہر ہوئی شروع ہوئی، جو اب جمہور اہل سنت کی رائے کہی جاسکتی ہے۔ اس رائے
کے ظہور کی وجہ یہ نہ تھی کہ کچھ نصوص قطعیت اس کے حق میں مل گئی تھیں، جو پہلی صدی کے اکابر سے پوشیدہ
تھیں۔ یا معاذ اللہ پہلی صدی والوں نے نصوص کے خلاف مسلک اختیار کر رکھا تھا....."
اس کے بعد مولانا نے اس تغیر مسلک کی دو وجہیں دی ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ (الف) اطاعتِ امام کے متعلق امام ابو یوسف نے جو احادیث و آثار
روایت کی ہیں، کیا اُن کا حکم "نصوص قطعیت" کا نہیں؟ (ب) امام ابو یوسف کا اس بارے میں جو مسلک
ہے، وہ کلیتہً اُن کے اُستاد حضرت امام ابو حنیفہ کی طرف مولانا مودودی نے جو مسلک منسوب کیا ہے اُس کے
خلاف ہے، اس کی کیا توجیہ کی جائے گی؟

بات دراصل یہ ہے کہ مولانا مودودی نے جس اساس پر امام ابو حنیفہ کی طرف ایک خاص مسلک منسوب
کر کے اپنے مسئلہ خروج کی عمارت کھڑی کی ہے وہ ہے ہی سرے سے غلط۔ امام ابو حنیفہ کی ہمدردیاں آل
عسلی کے ساتھ تھیں، اس لئے وہ عباسی خلافت کے حق میں نہ تھے اور اسی بنا پر وہ منصور سے تعاون
کرنے کو تیار نہ تھے۔ اب رہیں اطاعتِ امام کے متعلق احادیث و آثار، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ حضرت امام ابو
حنیفہ تک نہ پہنچی ہوں۔ ہمارے ان ائمہ کرام نے اُس دور میں اطاعتِ امام پر اس لئے زور دیا کہ امر بالمعروف
و نہی عن المنکر اور لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق کے نام سے ہر گروہ تلوار لے کر قائم شدہ
حکومت کے خلاف جب جی چاہتا تھا، اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ اس کی سب سے نمایاں مثال خوارج کی ہے، جو
حضرت علی کے خلاف اسی نام سے اُٹھے، اور امویوں سے بھی اسی بنا پر لڑتے رہے۔ خوارج کے علاوہ خود بنی
امیہ کے کئی سرداروں نے اُن کے خلاف بغاوتیں کیں، جیسے کہ یزید بن مہلب اور عبدالرحمن بن اشعث کی
بغاوتیں ہیں، اور ان کی وجہ بھی انہوں نے یہی حاکموں کا ظلم و جور بتائی تھی۔ بات یہ ہے، ظلم و جور اور فسق و

فجور کی ہر شخص اپنی تعبیر کرتا ہے۔ اور امر بالمعروف "بھی ہر شخص کا اپنا اپنا ہوتا ہے۔

اسی انار کی لاقانونی اور عدم استحکام کے سدباب کے لئے ہمارے اللہ نے وہ دلائل دیئے ہیں، جن سے اطاعتِ امامِ اثنی عشریہ سے ثابت ہوتی ہے۔ مولانا مودودی صاحب نے حضرت امام ابوحنیفہ سے خراج کا جو مسلک منسوب کیا ہے، وہ فی الحقیقت خوارج کا ہے۔ اور وہ اس پر برابر عمل پیرا ہے، یہاں تک کہ جمہورِ امت نے اُن کا بالکل زور توڑ دیا۔

افراد اور گروہوں کو خردج (REVOLT) کرنے کا حق غیر معین اور مبہم حکم کی بنا پر دے دینا جیسا کہ مولانا مودودی دے رہے ہیں، ایک بڑا خطرناک اقدام ہے، اور اگر اسے اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مان لیا جائے۔ تو پھر کسی سیاسی نظام تو ایک طرف رہا، کسی اجتماعی و دینی نظام کو ثبات و استحکام میرے نہیں جو سکے گا۔ ہمارے اللہ نے اسی کی روک تھام کی تھی اور اسلامی معاشرہ کو انتشار اور آئے دن کی لعناتوں سے بچایا تھا۔

ایک غیر معین اور مبہم حکم کو اللہ کی طرف منسوب کرنا اور پھر اُسے کسی عملی اقدام کا ذریعہ بنانا خود امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس کو غیر صحیح بتایا ہے۔ امان کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں (ص ۵۵) :-

ابو داؤد نے بیان کیا کہ ہمارے پاس عمر کا یہ مراسم آیا، جب تم کسی تعلقہ کا محاصرہ کرو اور وہ لوگ تم سے یہ چاہیں کہ تم انہیں اللہ کے فیصلے کی شرط پر ہتھیار ڈالنے دو تو تم ایسا نہ کرنا۔ کیوں کہ تم نہیں جانتے کہ اُن کے بارے میں اللہ کا فیصلہ ٹھیک ٹھیک معلوم کر سکو گے کہ نہیں، تم ان کو اپنے فیصلے کی بنیاد پر ہتھیار ڈالنے کو کہو اور اس کے بعد اُن کے بارے میں جو فیصلہ چاہو، کرو....."

امان ہی کے ضمن میں ص ۵۷ پر ہے :-

"اگر دشمن اس شرط پر ہتھیار رکھنے کی پیش کش کریں کہ اُن کے بارے میں اللہ کے حکم یا قرآن کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا تو واضح رہے کہ حدیث نے دشمن سے حکم الہی کی شرط پر ہتھیار رکھوانے کی ممانعت کر دی ہے۔ کیوں کہ ہم نہیں جانتے کہ اُن کے بارے میں اللہ کا حکم کیا ہے۔ لہذا اُن کی یہ پیش کش نہیں منظور کی جائے گی....."



زیر نظر کتاب کے مترجم جناب محمد نجات اللہ صدیقی نے مقدمہ میں خلیفہ منصور کے ذکر میں لکھا ہے :-

” خلیفہ منصور رعایا کی معاشی نلاج کا بڑا اہتمام کرتا تھا۔ وہ ملک کے ہر علاقہ میں اشیاء ضرورت کی قیمتوں کے آثار چٹھاؤ پر نظر رکھتا تھا اور جہاں گرانی ہوتی نظر آتی، اس کے سدباب کی تدابیر کرتا۔ وہ مختلف علاقوں کے عمال اور والیوں کے طرز عمل سے بھی باخبر رہتا اور یہ بھی معلوم کرتا رہتا تھا کہ بیت المال میں کتنی آمدنی ہوئی.....

منصور بہت کفایت شعار اور منظم حکمران تھا۔ وہ شعراء اور حاشیہ نشینوں کو بڑے بڑے انعامات دینے سے پرہیز کرتا تھا اور فضول خرچی سے دور تھا۔ وہ مسلمانوں کے بیت المال سے اپنی ضروریات کے لئے مال نہیں لیتا تھا۔ سرکاری مال کی آمد صرف کا پورا حساب رکھا جاتا تھا۔ بالخصوص اخراجات کے سلسلہ میں منصور خود نگرانی کرتا تھا۔ بغداد کی تعمیر پر بہت مال صرف ہوا تھا، لیکن جملہ مصارف اس کی ذاتی نگرانی میں ہوئے تھے۔ اور اُس نے ماتحت افسروں سے ایک ایک درہم کا حساب لیا تھا۔

خلیفہ منصور سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ اُس نے اپنے لڑکے مہدی کو وصیت کی تھی کہ نئے کے مال سے دست کش رہنا کیوں کہ میں ترکہ چھوڑ جا رہا ہوں اس کے ہوتے ہوئے تمہیں مزید کی ضرورت نہیں۔ رعیت کا مال ذاتی ضروریات پر صرف نہ کرنا، اُن کو بے جا صرف کرنا۔ عوام کو آرام پہنچانا۔ اُن کے مصالح کا اہتمام کرنا۔ ان کو تکلیف پہنچانے والی چیزوں کا ازالہ کرنا اور ان کی معاش میں وسعت پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ خزانہ اور مال کا حساب رکھنا اور فضول خرچی نہ کرنا کیوں کہ ہنگامی ضروریات کسی وقت بھی پیش آ سکتی ہیں۔

مترجم نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”عباسی خلافت کے استحکام اور دوسرے امور سلطنت کے ساتھ مالی نظام کی تنظیم کا کام دراصل سفاح کے بھائی ابو جعفر منصور کے زمانہ (۵۳۶ء - ۵۸۰ء) میں انجام پایا..... اسی منصور کے خلاف حضرت حسن بن علیؑ کی اولاد میں سے نفس زکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم نے خروج کیا۔ مولانا مودودی نے بعض حوالوں سے یہ اخذ کیا ہے: ”وہ (امام ابو حنیفہ) لوگوں کو ابراہیم کا ساتھ دینے اور اُن سے بیعت کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ وہ اُن کے ساتھ خروج کو نفل حج سے ۵۰ یا ۶۰ گنا زیادہ ثواب کا کام قرار دیتے تھے۔ ایک شخص ابو اسحاق الفزاری سے انہوں نے یہاں تک کہا کہ تیرا بھائی جو ابراہیم کا ساتھ دے رہا ہے، اُس کا یہ فعل تیرے اس فعل سے کہ تو کفار کے خلاف جہاد کرتا ہے، زیادہ افضل ہے۔“

مولانا مودودی نے ایک حوالہ سے یہاں تک اثبات کیا ہے کہ جب منصور نے اپنے ”نہایت معتمد جنرل اور اُس کے سپہ سالار اعظم حسن بن قحطیبہ کو نفس زکیہ اور ابراہیم کے خلاف جنگ پڑ جانے کا حکم دیا تو وہ امام ابوحنیفہ کے پاس آیا۔ امام نے اُس سے فرمایا ”اب تمہاری تو بہ کے امتحان کا وقت آ گیا ہے۔ اپنے عہد پر قائم رہو گے تو تمہاری تو بہ بھی رہے گی۔ ورنہ پہلے جو کچھ کر چکے ہو، اس پر بھی خدا کے ہاں پوٹے جاؤ گے اور اب جو کرو گے، اس کی سزا پاؤ گے“ حسن نے دوبارہ تو بہ کی اور منصور کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔

اس میں شک نہیں کہ نفس زکیہ اور اُن کے بھائی ابراہیم نے منصور کے خلاف خروج کیا۔ اور یہ بھی صحیح ہے اور تاریخی روایات اس کی شہادت دیتی ہیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کی ہمدردیاں ان دونوں بھائیوں کے ساتھ تھیں۔ لیکن اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ایک طرف ظالم حکومت تھی اور دوسری طرف جہور اُس کے خلاف اُٹھے تھے، بلکہ معاملہ صرف یہ تھا کہ ایک فریق اس کا قائل تھا کہ خلافت کے مستحق آلِ علی ہیں۔ اور عباسی کہتے تھے کہ اصل حق دار ہم ہیں۔ اس سلسلے میں منصور اور نفس زکیہ کے درمیان جو مراسلت ہوئی، اُس سے اس کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے۔

سید امیر علی نے لکھا ہے کہ جب منصور کی فوج نفس زکیہ کے مقابلے کے لئے مدینہ پہنچی، تو اُن کے ساتھ صرف تین سو آدمی رہ گئے تھے۔ بے شک وہ بڑی بہادری سے لڑے، لیکن مختصر سی جمعیت کے ساتھ جہاد فوج کا کیسے مقابلہ ہوتا۔

لیکن مولانا مودودی منصور کے سپہ سالار اعظم کا اُس کا حکم ماننے سے انکار کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:-

”یہ طرز عمل بھی ٹھیک ٹھیک امام کے اس نظریہ کے مطابق تھا کہ ایک کامیاب اور صالح انقلاب کے امکانات ہوں تو ظالم حکومت کے خلاف خروج جائز ہی نہیں، واجب ہے۔“



مطبع: استقلال پریس، لاہور

طابع: ظہیر الدین

ناشر: ڈاکٹر فضل الرحمن، ادارہ تحقیقات اسلامی، راولپنڈی